International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol:03, Issue: 02, July-Dec 2023
pp: 639- 650

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

حکمران کی تنصیب کے بنیادی اصول: اہلِ کتاب اور اسلام کی تعلیمات کا تقابلی جائزہ

Fundamental Principles of the Appointment of Rulers: A Comparative Analysis of the Doctrines of Ahl-e-Kitab and Islam

Usman Shafiq*
PhD Research Scholar (IUB)

ABSTRACT

The question of political leadership and the appointment of rulers has always been of central significance in religious and social thought. While all aspects of governance are important, the process of appointing a ruler constitutes the foundational stage upon which the entire structure of authority rests. In the Judaic tradition, as reflected in the sacred texts, the rise of kings and rulers is mentioned with explicit reference to their methods of selection and the establishment of their rule. Similarly, Islam provides comprehensive guidance regarding the appointment of rulers, not only emphasizing individual reform but also stressing the necessity of collective life under an organized government. The Qur'ān, the Sunnah of the Prophet Muhammad (ﷺ), and the practice of the Rightly Guided Caliphs present detailed principles and historical precedents concerning this issue. This article undertakes a comparative and analytical study of the teachings of the People of the Book and Islam on the installation of rulers, highlighting both the similarities and the distinctive features of each tradition.

Keywords:*Politics, Islam, Ahl-e-Kitab, Appointment of Rulers, Fundamental, Principles*

تمہید:

حکومت و امارت سے متعلق جملہ مباحث میں سب پہلو اپنی اہمیت رکھتے ہیں، تاہم سب سے بنیادی اور نازک پہلو اس کے قیام کا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس کے طے ہونے کے بعد کوئی شخص حکمران یا امیر کے منصب پر فائز ہوتا ہے اور اس کی حکومت یا امارت قائم ہوتی ہے۔ اہل کتاب کی کتابِ مقدس میں یہود کے مختلف ادوارِ حکومت کا ذکر ملتا ہے، جہاں کئی حکمرانوں اور بادشاہوں کے انتخاب اور ان کی سلطنت کے قیام کا تذکرہ موجود ہے۔ ان کے طرزِ انتخاب اور طریقۂ تنصیب سے متعلق تعلیمات نہایت واضح ہیں۔

جبکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بھی حکمران کی تنصیب اور اس کے اصول وضوابط ایک نہایت اہم اور بنیادی موضوع ہیں۔ کیونکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو صرف انفرادی زندگی بسر کرنے کی ترغیب نہیں دیتا بلکہ اجتماعی زندگی کے قیام اور ایک صالح و مثالی معاشرہ تشکیل دینے پر بھی خوب زور دیتا ہے۔ کسی معاشرے کی صحیح تعمیر و تنظیم کے لیے حکومت کا قیام ناگزیر ہے اور یہ حکومت ایک منظم قیادت یا حکمران کے بغیر ناممکن ہے۔ حکمران کی تنصیب کا مرحلہ دراصل وہ نقطۂ آغاز ہے جو پورے نظامِ ریاست کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ قرآنِ مجید میں مذکور سابقہ انبیاء وملوک کے ادوار، نبی کریم ﷺ کا عہدِ مبارک اور خلفائے راشدین کے سنہرے زمانوں میں اس موضوع سے متعلق شرعی نصوص اور عملی نمونے نہایت وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، جو رہتی دنیا تک امت کی رہنمائی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ چونکہ اہلِ کتاب (یہودیت و مسیحیت) اور اسلام کا شمار

الہامی مذاہب میں ہوتا ہے، سو ان کی شرعی نصوص سے کئی ایک نکات مستنبط ہوئے ہیں کہ جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں، اب ہم ان کا تقابل کرتے ہوئے ذیل میں طریقہ کار اور اصول سپردِ قلم کرتے ہیں۔

اہلِ کتاب اور اسلام کی مشترک تعلیمات

1۔بذریعہ انبیاء حکومت کا قیام اور حکمران کا تقرر

بنی اسرائیل کا ایک طویل دور قضاۃ کا دور رہا ہے، جبکہ اس کے بعد بادشاہوں کا بھی طویل دورِ حکومت ملتا ہے۔ ان قضاۃ اور کئی ایک بادشاہوں کا تقرر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہوا ہے۔

قضاۃ کا تقرر

موسیٰؑ نے اپنے دور میں خداوند کے حکم سے ایماندار قضاۃ کی تقرری کی۔ چنانچہ کتابِ مقدس میں یوں ذکر ہے:

تُو اپنے قبیلوں کی سب بستیوں میں جن کو خُداوند تیرا خُدا تُجھ کو دے، قاضی اور حاکم مُقرّر کرنا، جو صداقت سے لوگوں کی عدالت کریں۔[1]

اس امر میں قبائلی سسٹم اور اس کے قاضی یا حاکم کے تقرر کے طریقہ کار سے متعلق رہنمائی ملتی ہے۔ کسی بھی سطح کی حکومت یا اقتدار کے لئے جس حاکم یا قاضی کا انتخاب کیا جائے، اس کے کردار کیطرف اشارہ ہے کہ وہ ایماندار اور سچ بولنے والا ہو، یہی خوبی قیامِ حکومت کی اساس ہے۔

بطورِ حاکم یوشع بن نون کی الٰہی تقرری

حضرت موسیٰؑ کو جب اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کی خبر دی تو آپ اس بات پر نہایت فکر مند ہوئے کہ میری وفات کے بعد بنی اسرائیل پر بطورِ حاکم کسی کو مقرر کیا جائے گا، چنانچہ موسیٰؑ نے خدواند سے جانشین مقرر کیے جانے کی درخواست کی:

مُوسیٰ نے خُداوند سے کہا کہ خُداوند سارے بشر کی رُوحوں کا خُدا کِسی آدمی کو اِس جماعت پر مُقرّر کرے۔ جِس کی آمد و رفت اُن کے رُوبرُو ہو اور وہ اُن کو باہر لے جانے اور اندر لے آنے میں اُن کا راہبر ہو تا کہ خُداوند کی جماعت اُن بھیڑوں کی مانِند نہ رہے جِن کا کوئی چرواہا نہیں۔ خُداوند نے مُوسیٰ سے کہا تُو نُون کے بیٹے یشُوع کو لے کر اُس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اُس شخص میں رُوح ہے۔[2]

ان فقرات کی تشریح میتھیو ہینری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں بیان ہوا ہے۔ موسیٰ نے درخواست کی کہ میرا جانشین مقرر کیا جائے۔ حاسد روحیں اپنے جانشینوں سے محبت نہیں رکھتیں لیکن موسیٰ ان میں سے نہ تھا۔ ہم کو اپنی دعاؤں اور اپنی کاوشوں میں آنے والی نسل کی فکر ہونی چاہیے، تا کہ دین و ایمان پھلے پھولے۔[3]

ساؤل کا تقرر اور اس کی حکومت کے قیام کا اعلان

عہد نامہ قدیم میں قضاۃ اور یوشع بن نون کے دورِ حکومت کے بعد بادشاہوں کے دورِ حکومت کا ذکر نہایت مفصل اور تسلسل سے ملتا ہے۔ جب لوگ سموئیل نبی کے بیٹے جو کہ قاضی مقرر کیے گئے تھے، ان کے رویوں سے تنگ آ گئے، تو انہوں نے اپنے نبی سموئیل سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ (حکمران) کا انتخاب کیا جائے۔ چنانچہ بائبل میں مذکور ہے:

سموئیل نبی نے یہ مطالبہ خداوند کے سامنے پیش کیا، تو اس نے اس مطالبے کو منظور کرتے ہوئے بادشاہ مقرر کرنے کا حکم دیا:

اور سموئیل نے لوگوں کی سب باتیں سُنیں اور اُن کو خُداوند کے کانوں تک پُہنچایا۔ اور خُداوند نے سموئیل کو فرمایا تُو اُن کی بات مان اور اُن کے لئے ایک بادشاہ مُقرّر کر۔ تب سموئیل نے اِسرائیل کے لوگوں سے کہا کہ تُم سب اپنے اپنے شہر کو چلے جاؤ۔[4]

اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعے بنیامین قبیلہ کے ایک شخص ساؤل (طالوت) بن قیس کے متعلق سموئیل نبی کو خبر ملی اور آپ نے ان سے ملاقات کرکے انہیں بادشاہت کے لئے مسح کیا اور ان کو یہ معاملہ راز میں رکھنے کا حکم دیا۔ کتابِ مقدس میں یوں ذکر ہے:

پھر سموئیل نے تیل کی کُپّی لی اور اُس کے سر پر اُنڈیلی اور اُسے چُوما اور کہا کہ کیا یہی بات نہیں کہ خُداوند نے تُجھے مَسح کیا تا کہ تُو اُس کی میراث کا پیشوا ہو؟۔[5]

سموئیل نبی نے لوگوں کو "مصفاہ" نامی جگہ پر بلایا اور تمام قبائل کے درمیان قرعہ اندازی کی، تو قرعہ بنیامین قبیلہ کے نام نکلا، پھر اس قبیلہ کے مابین قرعہ اندازی کی تو ساؤل کے نام قرعہ نکلا۔

جب ساؤل کے نام پر قرعہ نکلا اور آپ لوگوں کے سامنے آگئے تو لوگوں نے بیک زباں ہو کر آپ کی بادشاہت کو قبول کیا۔ چنانچہ کتابِ مقدس میں مذکور ہے:

سموئیل نے اُن لوگوں سے کہا تُم اُسے دیکھتے ہو جِسے خُداوند نے چُن لیا کہ اُس کی مانِند سب لوگوں میں ایک بھی نہیں؟ تب سب لوگ للکار کر بول اُٹھے کہ بادشاہ جِیتا رہے!۔[6]

حضرت داؤدؑ کا تقرر اور آپ کی حکومت کا قیام

کتابِ مقدس میں اس بات کا ذکر ہے، جب ساؤل نے آئین خداوندی کی مخالفت کی اور اپنی مرضی سے کام کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے سموئیل نبی کو پیغام دے کر اس کو معزول کر دیا۔ اور سموئیل خداوند کے حکم سے بیت لحم یسّی کے پاس گیا اور اس کے آٹھ بیٹوں میں سے سب سے چھوٹے بیٹے داؤد کو مسح کیا۔ اور پھر آپؑ کو بادشاہت کے لئے منتخب کیا۔ کتابِ مقدس میں خداوند نے سموئیل کو حکم دیا:

(خداوند نے سموئیل سے کہا) مَیں تُجھے بَیت لحم یسّی کے پاس بھیجتا ہُوں کیونکہ مَیں نے اُس کے بیٹوں میں سے ایک کو اپنی طرف سے بادشاہ چُنا ہے۔ اور سموئیل نے وُہی جو خُداوند نے کہا تھا کیا اور بَیت لحم میں آیا۔ سموئیل نے یسّی سے کہا اُسے (سب سے چھوٹے بیٹے کو) بُلا بھیج کیونکہ جب تک وہ یہاں نہ آ جائے ہم نہیں بَیٹھیں گے۔ سو وہ اُسے بُلوا کر اندر لایا۔ وہ سُرخ رنگ اور خُوب صُورت اور حَسِین تھا اور خُداوند نے فرمایا اُٹھ اور اُسے مَسح کر کیونکہ وہ یہی ہے۔ تب سموئیل نے تیل کا سِینگ لِیا اور اُسے اُس کے بھائیوں کے درمیان مَسح کِیا اور خُداوند کی رُوح اُس دِن سے آگے کو داؤُد پر زور سے نازِل ہوتی رہی۔ پِھر سموئیل اُٹھ کر رامہ کو چلا گیا۔[7]

اسلام

اسلام میں بھی قرآن مجید کی روشنی میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حکمران کا تقرر کیا اور ان کی حکومت قائم ہوئی۔

طالوت کا تقرر اور حکومت کا قیام

قرآنِ مجید کی روشنی میں بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنی موجودہ نبی سے تقاضا کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں عمالقیہ سے جہاد کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ کا تقرر کیجئے۔ سو ان کی خواہش کے مطابق طالوت کا تقرر کیا گیا۔ یہاں ہمارا نکتہ بحث یہ ہے کہ طالوت کی حکومت کا قیام کیسے ہوا اور ان کو بطورِ حکمران کیسے نامزد کیا گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ وَ اللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ.[8]

اور ان سے ان کے نبی نے کہا بیشک اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انھوں نے کہا اس کی حکومت ہم پر کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ ہم حکومت کے اس سے زیادہ حق دار ہیں اور اسے مال کی کوئی وسعت بھی نہیں دی گئی؟ فرمایا بیشک اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی عطا فرمائی ہے اور اللہ اپنی حکومت جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

ان آیاتِ کریمہ میں طالوت کے بطور حکمران تقرر اور اس کی حکومت کے قیام کے حوالے سے واضح رہنمائی موجود ہے۔ چونکہ اس دور میں انبیاء کا سلسلہ جاری تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سرادروں کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے، خود طالوت کا بطور حکمران انتخاب کیا۔

حضرت داؤدؑ کا تقرر اور حکومت کا قیام

حضرت داؤدؑ بنی اسرائیل کی وہ عظیم شخصیت ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ ان کا تعارف گزشتہ باب میں گزر چکا ہیں۔ آپ کے تعارف کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ آپؑ طالوت کے لشکر میں نوجوان سپاہی کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ اپنی بھرپور صلاحیتوں سے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ایسے لڑائی کی کہ دشمن کے سپہ سالار جالوت کو قتل کرنے کا اعزاز پایا۔ جیسے پہلے نبی کوئی اور شخص تھے اور بادشاہ طالوت تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بعد نبوت و بادشاہت کا منصب بذریعہ نبی ایک ہی شخصیت کو عطا کیا وہ حضرت داؤدؑ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ.[9]

اے داؤد! بیشک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہش کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حضرت داؤدؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا" اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً "بے شک ہم نے تجھے حکمران بنایا۔ یعنی حضرت داؤدؑ کا انتخاب کر کے ان کی حکومت کو قائم بھی اللہ تعالیٰ نے خود کیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا انتخاب اور حکومت کا قیام

حضرت سلیمانؑ اپنے والد حضرت داؤدؑ کے بعد نبوت و بادشاہت میں آپ کے جانشین بنے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی بہت عظیم بادشاہت سے سرفراز کیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے ایسی حکمرانی عطا کر جو میرے بعد اور کسی کو نہ ملے۔ ہمارا نکتہ بحث یہ ہے کہ آپ کا انتخاب کیسے ہوا اور آپ کی حکومت کیسے قائم ہوئی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَىْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ-[10]

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک علم دیا اور ان دونوں نے کہا تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی۔ اور سلیمان داؤد کا وارث بنا اور اس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہمیں ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے۔ بیشک یہ یقیناً یہی واضح فضل ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سلیمانؑ کی تقرری کے حوالے سے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ہے "سلیمان داؤد کا وارث بنا"۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور داؤدؑ کو حکم ملنے کے بعد ہی آپؑ اپنے والد کے بعد نبوت وبادشاہت کے وارث ٹھہرے۔

نبی کریم ﷺ اور ریاست مدینہ کا قیام

اس موضوع پر نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا اگر ہم مطالعہ کریں، تو جب نبی کریم ﷺ یثرب کی طرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت کی تیاری کر رہے تھے، تو یہ محظ پیغمبر ورسول کی حیثیت سے روحانی پیشوا بن کر وہاں قیام کا ارادہ نہیں تھا بلکہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کے قائد وسیاسی رہنما کی حیثیت سے بھی آپ ﷺ ہی نے کردار ادا کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہجرتِ مدینہ کے موقع پر عبد اللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین اوس و خزرج کے بادشاہ کی حیثیت سے امیدوار بنا بیٹھا تھا اور عنقریب اس حیثیت سے اس کی دستار بندی ہونا تھی۔ لیکن آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد جب سب لوگوں کا رخ آپ کی طرف ہو گیا اور لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو یہی قبولیت عبد اللہ بن ابی کی اسلام دشمنی کا سبب بنی، سو آپ ﷺ کو نبی ورسول ماننے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اپنا قائد و سربراہ بھی تسلیم کیا۔ آپ ﷺ نے اسی حیثیت میں یہود کے تین بڑے قبائل اور دیگر آس پاس کے مشرکین کے ساتھ میثاقِ مدینہ تحریر کیا وہ ریاستِ مدینہ کے والی وحکمران ہونے کی حیثیت سے تھا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ ابتدائی حکمت عملی تھی، جوں جوں اسلام کی دعوت پھیلتی گئی، قبائل در قبائل مسلمان ہوتے گئے یا علاقوں کی فتوحات ہوتی گئیں، ویسے ویسے آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کے امیر وحاکم ہونے کی حیثیت سے ان صوبوں اور علاقوں میں عمال اور گورنروں کا تقرر کیا۔

2۔ حکمران کی طرف سے ولی عہد / جانشین کا تقرر

اہلِ کتاب

حضرت سلیمانؑ کا انتخاب اور حکومت کا قیام

حضرت داؤدؑ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے سلیمان کو بادشاہت کے لئے نامزد کیا اور بادشاہت کے اختیارات بھی اس کے سپرد کر دیئے۔ حضرتِ داؤدؑ نے ناتن نبی کو حکم دیا کہ وہ ان کے بیٹے سلیمان کو مسح کریں اور ان کی بادشاہت کا اعلان کریں۔ یہ حکم سننے کے بعد ناتن نبی اور یہ سب لوگ سلیمانؑ کو لے کر ساتھ گئے اور بادشاہت کے لئے سلیمانؑ کو مسح کیا، اس کے بعد لوگوں میں بھی اعلان کر دیا اور لوگوں نے بھی ان کی بادشاہت کو قبول کر لیا، یوں آپ بنی اسرائیل کے بادشاہ منتخب ہوئے۔ چنانچہ کتابِ مقدس میں مذکور ہے:

> اور داؤد بادشاہ نے فرمایا کہ صدُوق کاہن اور ناتن نبی اور یہویدع کے بیٹے بِنایاہ کو میرے پاس بُلاؤ۔ سو وہ بادشاہ کے حضُور آئے۔ بادشاہ نے اُن کو فرمایا کہ تُم اپنے مالِک کے مُلازِموں کو اپنے ساتھ لو اور میرے بیٹے سُلیمان کو میرے ہی خچّر پر سوار کراؤ اور اُسے جیحُون کو لے جاؤ۔ اور وہاں صدُوق کاہن اور ناتن نبی اُسے مَسح کریں کہ وہ اِسرائیل کا بادشاہ ہو اور تُم نرسنگا پھُونکنا اور کہنا کہ سُلیمان بادشاہ جیتا رہے۔ پھر تُم اُس کے پیچھے پیچھے چلے آنا اور وہ آ کر میرے تخت پر بَیٹھے کیونکہ وُہی میری جگہ بادشاہ ہو گا اور مَیں نے اُسے مُقرّر کیا ہے کہ وہ اِسرائیل اور یہُوداہ کا حاکم ہو صدُوق کاہن نے خیمہ سے تیل کا سِینگ لِیا اور سُلیمان کو مَسح کیا اور اُنہوں نے نرسنگا پھُونکا اور سب لوگوں نے کہا سُلیمان بادشاہ جیتا رہے۔ اور سب لوگ اُس کے پیچھے پیچھے آئے اور اُنہوں نے بانسلیاں بجائیں اور بڑی خُوشی منائی اَیسا کہ زمین اُن کے شور وغُل سے گُونج اُٹھی۔[11]

جنوبی سلطنت یہوداہ کے بادشاہ کا انتخاب اور قیام حکومت

حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد یہ سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور سلطنتِ یہوداہ پر بادشاہی طرزِ حکومت کا ایک طویل دور ملتا ہے، باپ کے مرنے کے بعد بیٹا حکمران منتخب ہوتا ہے۔ سلیمانؑ کی وفات کے بعد آپ کا بیٹا یہوداہ پر رحبعام حکمران بنا۔ رحبعام کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابیام یہوداہ کا بادشاہ ہوا۔ ابیام کی وفات کے بعد اس کا بیٹا آسا یہوداہ کا بادشاہ ہوا۔

شمالی سلطنت اسرائیل کے بادشاہ

سلطنتِ اسرائیل پر بھی بادشاہی طرزِ حکومت کا ایک طویل دور ملتا ہے، باپ کے مرنے کے بعد بیٹا حکمران منتخب ہوتا ہے، یا بادشاہ کو قتل کرنے والا قاتل اس کی جگہ حکمران منتخب ہوتا۔ سلیمانؑ کی وفات کے بعد اسرائیل پر یربعام حکمران بنا۔ یربعام کی وفات کے بعد اسرائیل پر اس کا بیٹا ندب حکمران بنا۔

اسلام:

خلیفہ اول حضرتِ ابو بکر صدیق کی حکومت کا قیام

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے خلیفہ سیدنا ابو بکر صدیق تھے۔ جس خلافت و رحمت کی پیشگوئی آپ ﷺ نے فرمائی، اس کے اولین مصداق آپ ٹھہرے۔ آپ کا انتخاب اور بیعت ہنگامی معاملہ نہیں تھا، بلکہ صحابہ کرام نے امت مسلمہ کو کسی بھی انتشار سے بچاتے ہوئے آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے بھی پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں دلائل کی بنیاد پر آپ کا انتخاب کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں جہراً یا مخفی طور پر بطورِ حکمران کسی بھی شخص کو نامزد نہیں کیا تھا، بلکہ اس معاملہ کا اختیار مسلمانوں کو دیا تھا۔ سو امت کے اہل حل و عقد افراد نے اس حساس موقع پر نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان کو ترجیح دیتے ہوئے، انہیں منتخب کر لیا۔ آپ ﷺ نے اگرچہ متعین نامزدگی تو نہیں کی، لیکن اپنی زندگی میں کئی ایک امور کی نیابت، بالخصوص اپنے آخری ایام میں مسجد نبوی ﷺ کے مصلیٰ امامت پر آپ کے سپرد کرتے ہوئے حضرتِ ابو بکر صدیق کی خلافت کا اشارہ دیا تھا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد انصار صحابہ کرام سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ کے انتخاب کے لئے جمع ہوئے تو اس کی خبر دیگر کبار صحابہ کرام کو ہوئی۔ تو اس مسئلہ کو بہت ہی اہم سمجھتے ہوئے کبار صحابہ کرام میں سے بالخصوص محدّثِ امت حضرت عمر نے پیش قدمی کرتے ہوئے خلیفہ کے انتخاب کے لئے محنت و کوشش کی۔ حضرت ابو بکر صدیق کا انتخاب سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا اور وہاں آپ سے بیعت کی گئی اور پھر نبی کریم ﷺ کی وفات کے دوسرے روز ہی آپ کی عام بیعت بھی ہو گئی اور آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اول بنے۔ ایک روایت جس میں اس کی ضاحت ہے، روایت طویل ہے لیکن ہم اختصار کرتے ہوئے اپنے موضوع سے متعلقہ بات نقل کرتے ہیں۔

"حضرت ابن عباس نے کہا ہم آخری عشرہ ذوالحجہ میں مدینہ طیبہ پہنچے۔ جمعہ کے دن میں نے سورج ڈھلتے ہی مسجد نبوی پہنچنے میں جلدی کی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر بن خطاب تشریف لائے، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ جب مؤذن اذان دے کر فارغ ہوئے تو آپ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالی کے شایان شان حمد و ثنا کی، پھر فرمایا:

اما بعد! آج میں تم سے ایسی بات کہوں گا جس کا کہنا میری تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ شاید وہ میری موت سے پہلے آخری بات ہو، لہذا جو شخص اسے سمجھے اور اسے یاد رکھ سکے تو اسے چاہیے کہ اس بات کو اد جگہ تک پہنچا دے جہاں تک اس کی سواری اسے لے جاسکتی ہے اور جس کو اندیشہ ہو کہ وہ اسے نہیں سمجھ سکے گا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ میری طرف غلط بات منسوب کرے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کسی نے کہا ہے: اللہ کی قسم! اگر عمر کا انتقال ہو گیا تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا۔ دیکھو تم میں سے کسی کو یہ دھوکا نہ لگے کہ ابو بکر ہی کی بیعت یکایک ہو گئی تھی، پھر وہ چل بھی گئی۔ بات یہ ہے کہ بلاشبہ حضرت ابو بکر کی بیعت اچانک ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو شر سے بچا لیا اور تم میں ابو بکر کی مثل کوئی شخص ایسا نہیں جس کی طرف گردنیں جھکی ہوں۔ خبردار! تم میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے صلاح و مشورے اور اتفاق رائے کے بغیر کسی کی بیعت نہ کرے۔ جو کوئی ایسا کرے گا اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ بیعت کرنے والا اور بیعت لینے والا دونوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ واضح رہے کہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت ابو بکر ہم میں سب سے

بہتر تھے، البتہ انصار نے ہماری مخالفت کی تھی اور وہ سب لوگ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ اسی طرح حضرت علی، حضرت زبیر اور ان کے ساتھیوں نے بھی ہماری مخالفت کی تھی، تاہم مہاجرین حضرت ابو بکر کے پاس جمع ہو گئے۔ اس وقت میں نے حضرت ابو بکر سے کہا: اے ابو بکر! ہمیں آپ اپنے ان انصار بھائیوں کے پاس لے چلیں، چنانچہ ہم ان سے ملاقات کے لیے چل پڑے، پھر جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ہمیں ان کے دو نیک آدمی ملے۔ انھوں نے وہ چیز ذکر کی جس پر انصار کا اتفاق ہوا تھا۔ انھوں نے کہا: اے مہاجرین کی جماعت! تم کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: آپ حضرات وہاں ہر گز نہ جائیں بلکہ از خود جو کرنا ہے، اسے عملی جامہ پہنا دیں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم وہاں ضرور جائیں گے، چنانچہ ہم آگے بڑھے اور انصار کے پاس سقیفہ بنو ساعدہ میں پہنچے۔ مجلس میں ایک صاحب چادر اپنے سارے جسم پر لپیٹے درمیان میں بیٹھے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت سعد بن عبادہ ہیں۔ میں نے پوچھا انھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ انھیں بخار ہے۔

جب ہم تھوڑی دیر وہاں بیٹھے تو ان کے خطیب نے خطبہ پڑھا اور اللہ تعالی کے شایان شان حمد وثنا کی، پھر گویا ہوئے: ہم دین الٰہی کے مددگار اور لشکر اسلام ہیں۔ اے مہاجرین کی جماعت! تم ایک گروہ ہو۔ تمھاری یہ تھوڑی سی تعداد اپنی قوم سے نکل کر ہمارے پاس آئی ہے۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہماری بیخ کنی کر کے خود خلیفہ بن جاؤ اور ہمیں اس سے محروم کر دو، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جب وہ اپنی تقریر پوری کر چکے تو میں نے ارادہ کیا کہ گفتگو کروں۔ میں نے ایک عمدہ تقریر اپنے ذہن میں ترتیب دے رکھی تھی۔ میری انتہائی خواہش تھی کہ حضرت ابو بکر کے بات کرنے سے پہلے ہی میں اپنی تقریر کا آغاز کروں اور انصار کی باتوں سے حضرت ابو بکر کو جو غصہ آیا ہے میں اس کو دور کر دوں، تاہم جس وقت میں نے تقریر کرنے کا ارادہ کیا تو ابو بکر نے فرمایا: تم خاموش رہو۔ میں حضرت ابو بکر کو غصہ نہیں دلانا چاہتا تھا۔ آخر انھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اللہ کی قسم! وہ مجھ سے زیادہ زیرک، بردبار اور باوقار تھے۔ اللہ کی قسم! انھوں نے کوئی بات نہ چھوڑی جو میں نے بہترین پیرائے میں سوچ رکھی تھی مگر انھوں نے فی البدیہہ اس (میری سوچی ہوئی تقریر) جیسی بلکہ اس سے بھی بہترین تقریر کی، پھر وہ خاموش ہو گئے۔

ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا: انصار بھائیو! تم نے اپنی فضیلت اور بزرگی میں جو کچھ کہا ہے وہ سب درست ہے۔ یقیناً تم اس کے حقدار ہو مگر خلافت قریش کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کے لیے نہیں ہو سکتی، کیونکہ قریش از روئے نسب اور از روئے خاندان تمام عرب قوموں سے بڑھ کر ہیں۔ اب تم لوگ ایسا کرو کہ ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ حضرت ابو بکر نے میرا اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کا ہاتھ پکڑا جو ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی ساری گفتگو میں صرف یہی آخری بات مجھے ناگوار گزری۔ اللہ کی قسم! مجھے آگے کر دیا جاتا اور میری گردن اڑا دی جاتی تو یہ مجھے اس گناہ سے زیادہ پسند تھا کہ مجھے ایک ایسی قوم کا امیر بنایا جاتا، جس میں حضرت ابو بکر موجود ہوں۔ میرا اب تک یہی خیال ہے الا یہ کہ مجھے میرا نفس بہکا دے اور میں کوئی دوسرا خیال کروں جو میرے دل میں نہیں۔ پھر انصار میں سے ایک کہنے والے نے کہا: خبردار! میں ایک ایسی لکڑی ہوں جس سے خارشی اونٹ اپنا بدن رگڑ کر شفا پاتے ہیں اور میں وہ باڑ ہوں جو درختوں کے ارد گرد ان کی حفاظت کے لیے لگائی جاتی ہے، میں تمھیں ایک عمدہ تدبیر بتاتا ہوں کہ تم دو خلیفے بنالو: ایک ہماری قوم کا اور ایک قریش والوں کا۔

پھر شور و غل زیادہ ہو گیا اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مجھے ڈر لگا کہ مبادا مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے۔ بالآخر میں نے کہا: اے ابو بکر! اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔ انھوں نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان سے بیعت کی، پھر مہاجرین نے بھی بیعت کی، اس کے بعد انصار نے بیعت کی۔ حضرت عمر نے (اپنے خطبے میں) یہ بھی فرمایا: اللہ کی قسم! ہم نے پیش آمدہ امر سے حضرت ابو بکر کی بیعت سے زیادہ کوئی اور معاملہ اہم نہ پایا، کیونکہ ہمیں اندیشہ تھا کہ اگر ہم اسی حالت میں لوگوں سے جدا ہو گئے اور ہم نے کسی کی بیعت نہ کی تو لوگ ہمارے بعد کسی شخص کی بیعت کر لیں گے تو پھر ہم ایسے شخص کی بیعت کرتے جس سے ہم خوش نہ تھے یا ان کی مخالفت کرتے تو فساد برپا ہوتا۔ (میں پھر یہی کہتا ہوں کہ) جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی دوسرے شخص کی بیعت کرے گا تو دوسرے لوگ بیعت کرنے والے کی پیروی نہ کریں اور نہ اس کی بات مانی جائے جس سے بیعت کی گئی ہے، کیونکہ وہ دونوں قتل کر دیے جائیں گے۔[12]

جب سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ کا انتخاب ہو گیا اور کچھ کبار صحابہ نے آپ کی بیعت بھی کر لی تو پھر عوام الناس میں حضرت ابو بکر کی خلافت کے اعلان کے بعد آپ کی عام بیعت بھی ہوئی اور سب نے آپ کو بالاتفاق خلیفہ منتخب کر لیا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں:

انھوں نے حضرت عمر کا دوسرا خطبہ سنا، جب آپ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی وفات سے دوسرے دن کا ہے۔ حضرت عمر نے خطبہ پڑھا جبکہ حضرت ابو بکر خاموش تھے اور کوئی بات نہ کرتے تھے۔

پھر حضرت عمر نے فرمایا: مجھے امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ زندہ رہیں گے اور ہمارے کاموں کی تدبیر و انتظام کرتے رہیں گے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ ان سب سے آخر میں وفات پائیں گے۔ اگر محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے سامنے نور (قرآن) کو باقی رکھا ہے جس کے ذریعے سے تم ہدایت حاصل کرتے رہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے حضرت محمد ﷺ کی رہنمائی فرمائی۔ حضرت ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور دو میں سے دوسرے ہیں۔ وہ مسلمانوں میں بہترین شخص ہیں جو تمھارے امور سر انجام دیں، لہٰذا اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔ ان میں سے ایک جماعت پہلے ہی سقیفہ بنو ساعدہ میں آپ کی بیعت کر چکی تھی، پھر عام لوگوں نے منبر نبوی پر بیعت کی۔ زہری نے حضرت انس سے بیان کیا، کہ انھوں نے حضرت عمر سے سنا کہ وہ حضرت ابو بکر سے اس دن کہہ رہے تھے! آپ منبر پر تشریف لائیں۔ وہ ان سے مسلسل کہتے رہے حتیٰ کہ وہ تشریف لے آئے اور سب لوگوں نے آپ سے بیعت کر لی۔[13]

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کی حکومت کا قیام

حضرت ابو بکر صدیق کی وفات کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق منتخب ہوئے۔ حضرت ابو بکر کو اگرچہ تجربات سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خلافت کا یہ بارِ گراں حضرت عمر کے سوا اور کوئی نہیں اٹھا سکتا، سو آپ نے اپنی زندگی میں ہی انہیں نامزد کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس فیصلہ سے پہلے کبار صحابہ کرام سے مشاورت بھی کی۔ حضرت ابو بکر نے مشاورت کے بعد باقاعدہ حضرت عمر کی نامزدگی کا اظہار فرما دیا۔ اس سلسلہ میں سیدنا انس بن مالک بیان کرتے ہیں:

ہم سیدنا ابو بکر کی مرض الموت میں تیمارداری کے لئے ان کے پاس گئے، ان کی خدمت اور دیکھ بھال سیدہ عائشہ کر رہی تھیں۔ ہم نے عرض کی اے خلیفہ رسول! آپ نے صبح یا شام کس حال میں کی (یعنی آپ کی طبیعت کیسی ہے)؟ تو وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: کیا تم لوگ میرے رویے اور کاموں سے خوش ہو؟ ہم نے کہا: کہ کیوں نہیں ہم لوگ تو آپ سے بہت خوش ہیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق نے کہا: میں اس بات پر بہت حریص تھا کہ تمام مسلمانوں کو وافر مقدار میں مالِ غنیمت دوں (اور انہوں نے دیا بھی تھا) باوجود اس کے کہ خود میں نے صرف کچھ گوشت اور دودھ پایا ہے، جب تم میرے پاس سے

چلے جاؤ تو اس بات پر اچھی طرح غور و فکر کر لینا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ (واپسی پر) ہم نے اچھی طرح ان کے کمرے کا جائزہ لیا، تو سیدنا ابو بکر صدیق نے فرمایا: اچھی طرح دیکھ لو۔ ہم نے دیکھا تو وہاں درہم و دینار میں سے کچھ بھی نہیں تھا، سوائے ایک خادم، ایک عدد پیالہ اور ایک عدد دودھ دھونے کے برتن کے۔ وہ بھی سیدنا ابو بکر نے سیدہ عائشہ سے کہا کہ یہ سب سامان سیدنا عمر کو پہنچا دینا۔ تو اس بات سے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے بعد سیدنا عمر کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جب سیدنا ابو بکر کے گھر کا یہ سامان سیدنا عمر کے پاس پہنچا دیا گیا تو انہوں نے کہا: رَحِمَ اللهُ ابا بَکر۔لَقَد أتعبَ مِن بَعدِہِ إتعاباً شَدِیداً اللہ تعالیٰ ابو بکر کے حال پر رحم کرے، یقیناً انہوں نے اپنے بعد آنے والے (خلفاء و امراء) کو بہت زیادہ مشقت میں ڈال دیا ہے۔[14]

سیدنا عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمر زخمی ہوئے تو ان سے کہا گیا، اپنا خلیفہ کسی کو کیوں نہیں منتخب کر دیتے، تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

إِنْ أَسْتَخْلِفْ ، فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ ، مِنِّي أَبُو بَكْرٍ ، وَإِنْ أَتْرُكْ ، فَقَدْ تَرَكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي ، رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ ، فَقَالَ : رَاغِبٌ رَاهِبٌ ، وَدِدْتُ أَنِّي نَجَوْتُ مِنْهَا كَفَافًا لَا لِي وَلَا عَلَيَّ لَا أَتَحَمَّلُهَا حَيًّا وَلَا مَيِّتًا.[15]

کہ اگر کسی کو خلیفہ منتخب کرتا ہوں (تو اس کی بھی مثال ہے کہ) اس شخص نے اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی ابو بکر اور اگر میں اسے مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ تا ہوں تو (اس کی بھی مثال موجود ہے کہ) اس بزرگ نے (خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کے لیے) چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ ﷺ۔ پھر لوگوں نے آپ کی تعریف کی، تو آپ نے کہا کہ کوئی تو دل سے میری تعریف کرتا ہے اور کوئی ڈر کر۔ اب میں تو یہی غنیمت سمجھتا ہوں کہ خلافت کے حساب میں اللہ کے ہاں برابر برابر ہی چھوٹ جاؤں، نہ مجھے کچھ ثواب ملے اور نہ کوئی عذاب، میں نے خلافت کا بوجھ اپنی زندگی بھر اٹھایا، لیکن اب مرنے پر میں اس بارِ گراں کو نہیں اٹھاؤں گا۔

متفرق تعلیمات

اہلِ کتاب

اہلِ کتاب میں کتابِ مقدس کی روشنی میں حکمران کی تنصیب کے دو طریقے ایسے بھی ملتے ہیں کہ جن کا اسلام میں وجود نہیں۔

1۔ بادشاہ کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ حاصل کرنا

سلطنتِ اسرائیل پر بھی شاہی طرزِ حکومت کے ساتھ ساتھ، بادشاہ کو قتل کرنے والا قاتل اس کی جگہ حکمران منتخب ہوتا۔ اس سلطنت میں کئی لوگ بادشاہ کے خلاف اٹھے اسے قتل کیا اور خود کئی کئی سال بادشاہت کرتے رہے اور بعد میں یہ حکمرانی ان کی اولاد میں موروثاً چلتی رہی۔ جیسے ندب کا قاتل بعشا۔ یوں یہ دور سلطنتِ اسرائیل کے آخری بادشاہ ہوسیع پر سقوطِ سامریہ کے ساتھ ختم ہوا اور یہاں سے شاہ اسور کی غلامی کے دور کا آغاز ہوا۔

2۔ بذریعہ تبلیغ

تیسری صدی عیسوی کے اوائل میں عیسائی مذہبی رہنماؤں کی تبلیغ سے رومی سلطنت کے بادشاہ قسطنطین اعظم نے (305ء-337ء) میسحیت کی سرپرستی کی اور انہیں ظلم و ستم اور غلامی سے نجات دی اور خود آخری وقت میں میسحیت قبول کی۔ یوں عیسائی مذہب کو تقویت ملی اور بہت سارے بادشاہوں کے درباروں میں میسحیت داخل ہو گئی اور کئی حکمران عیسائی بن گئے۔

اسلام

اسلامی تعلیمات میں بھی حکمران کی تنصیب کے ایسے کچھ طریقے ملتے ہیں کہ جن کا وجود اہلِ کتاب میں نہیں ملتا اور یہ صرف اسلام ہی کی انفرادیت ہے۔

1۔ خلیفہ کی نامزد کمیٹی آئندہ حکمران کی انتخاب کرے

حکمران کا ایک سے زائد اہلیت رکھنے والے لوگوں کی کمیٹی تشکیل دینا۔ تاکہ عقلمند، علماء اور باشعور لوگوں کی مشاورت اور عوامی رائے کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس کمیٹی میں سے کسی ایک کو بھی منتخب کرلیا جائے۔ جیسے حضرت عمر کی مثال ملتی ہے۔ آپ نے زخمی حالت میں 6(چھ) اصحاب عثمان بن عفان، علی المرتضیٰ، عبد الرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہ پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی اور فرمایا یہ سب اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلیں۔ تو حضرت عثمان بن عفانؓ کو حکمران منتخب کیا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر بیان فرماتے ہیں:

> جب لوگ حضرت عمر کی تدفن سے فارغ ہو چکے، تو وہ جماعت (جنہیں عمر نے نامزد کیا تھا) جمع ہوئی۔ عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا: تمہیں اپنا معاملہ اپنے ہی میں سے تین آدمیوں کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اس پر زبیر نے کہا، میں نے اپنا معاملہ علی کے سپرد کیا۔ طلحہ نے کہا، میں اپنا معاملہ عثمان کے سپرد کرتا ہوں اور سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ میں نے اپنا معاملہ عبد الرحمٰن بن عوف کے سپرد کیا۔ اس کے بعد عبد الرحمٰن بن عوف نے (عثمان اور علی کو مخاطب کر کے) کہا کہ آپ دونوں حضرات میں سے جو بھی خلافت سے اپنی برأت ظاہر کرے ہم اسی کو خلافت دیں گے اور اللہ اس کا نگران و نگہبان ہو گا اور اسلام کے حقوق کی ذمہ داری اس پر لازم ہو گی۔ ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے خیال میں کون افضل ہے، اس پر یہ دونوں حضرات خاموش ہو گئے۔
>
> عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا: کیا آپ حضرات اس انتخاب کی ذمہ داری مجھ پر ڈالتے ہیں، اللہ کی قسم کہ میں آپ حضرات میں سے اسی کو منتخب کروں گا جو سب میں افضل ہو گا۔ ان دونوں حضرات نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے ان دونوں میں سے ایک صاحب (حضرت علی) کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: آپ کی قرابت رسول اللہ ﷺ سے ہے اور ابتداء میں اسلام لانے کا شرف بھی۔ جیسا کہ آپ کو خود ہی معلوم ہے، پس اللہ آپ کا نگران ہے کہ اگر میں آپ کو خلیفہ بنادوں تو کیا آپ عدل و انصاف سے کام لیں گے اور اگر عثمان کو خلیفہ بنادوں تو کیا آپ ان کے احکام سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے؟ اس کے بعد دوسرے صاحب (حضرت عثمان) کو تنہائی میں لے گئے اور ان سے بھی یہی کہا اور جب ان سے وعدہ لے لیا تو فرمایا: اے عثمان! اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ چنانچہ انہوں نے ان سے بیعت کی اور علی نے بھی ان سے بیعت کی، پھر اہل مدینہ آئے اور سب نے بیعت کی۔[16]

2۔ حکمران خود تقرر نہ کرے عوام کے سپرد کردے

جیسے حضرت عثمان بن عفانؓ نے کسی کو بھی نامزد نہیں کیا اور آپ کی شہادت کے بعد لوگوں نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں:

> جب سیدنا عثمان بن عفان اپنے ہی گھر میں محصور تھے، تو اس وقت میں خود سیدنا علی کے پاس تھا کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا، امیر المؤمنین سیدنا عثمان شہید کر دیئے گئے ہیں۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور کہنے لگا کہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان ابھی ابھی

شہید کر دیئے گئے ہیں، تو سیدنا علی کھڑے ہوئے لیکن میں نے ان کو کمر سے پکڑ کر روکنا چاہا، مجھے ان کے بارے میں (باغیوں کے حملہ کا ڈر تھا)۔ تو آپ نے فرمایا: تمہاری ماں نہ رہے مجھے چھوڑو۔ پھر سیدنا علی سیدنا عثمان کے گھر گئے، وہاں دیکھا تو وہ واقعی شہید کیے جا چکے تھے، تو آپ اپنے گھر آ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ آپ کے پیچھے پیچھے بہت سے لوگ آ گئے انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے دروازہ کھول دیا اور وہ سب لوگ اندر داخل ہو گئے اور کہنے لگے، یقیناً سیدنا عثمان شہید کر دیئے گئے ہیں اب لوگوں کے لئے خلیفہ (حکمران) کا ہونا ضروری ہے اور ہم آپ سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حق دار نہیں جانتے۔ سیدنا علی نے ان سے فرمایا: تم خلافت کے لئے میری طرف نہ دیکھو کیونکہ میں تمہارے لئے وزیر ہوں اور تمہارے لئے وزیر ہونا میرے خلیفہ ہونے سے بہتر ہے۔ لوگوں نے پھر کہا اللہ کی قسم ہم آپ سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حق دار نہیں جانتے۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تم میری بات کا انکار کرتے ہو تو پھر میری بیعت خفیہ نہیں ہو گی، میں مسجد کی طرف نکلتا ہوں، وہاں جو چاہے میری بیعت کر لے۔ محمد بن حنفیہؒ بیان کرتے ہیں کہ پھر سیدنا علی مسجد میں گئے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔[17]

اور اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی کسی کو بھی نامزد نہیں کیا بلکہ آپ کی شہادت کے فوری بعد لوگ سیدنا حسن بن علی کے گرد جمع ہوئے اور آپ سے بیعت کر کے آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ حضرت قیس بن سعد فرماتے ہیں:

> حضرت حسن نے کوفہ میں حضرت علی کی نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ ہاتھ پھیلائیں، میں آپ سے کتاب اللہ، سنتِ رسول، اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے والوں سے قتال کرنے پر بیعت کرتا ہوں۔ حضرت حسن نے ان سے کہا: بیعت صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر ہونی چاہئے، ہر شرط اس میں موجود ہے۔ میں نے اس پر ان سے بیعت کر لی اور پھر دوسرے لوگ آئے انہوں نے بھی بیعت کی۔[18]

3۔ حکمران کسی دوسرے شخص کے حق میں دستبردار ہو

کوئی حکمران حالات کو مزید بہتر کرنے کے لئے خود دستبردار ہو جائے اور جس پر اعتماد ہو اسے منتخب کر لے اور رائے عامہ کو بھی اس کام کے لئے ہموار کرے۔ جیسے حضرت حسن بن علی نے خلافت کے چھ ماہ بعد امت کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرواتے ہوئے خود دستبردار ہو کر حضرت امیر معاویہ کا انتخاب کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اسی موقع پر اپنے بھائی حضرت حسینؓ کو بھی کہا انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

خلاصہ:

گزشتہ اوراق میں کی گئی تحقیق کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ حکمران کی تنصیب و انتخاب جیسے اہم موضوع پر اہلِ کتاب اور اسلام دونوں کے مطابق واضح رہنمائی موجود ہے البتہ اسلام میں اس کی بابت زیادہ تفصیلی رہنمائی موجود ہے۔ قیامِ حکومت کے کچھ طریقے مشترک ہیں اور کچھ منفرد۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث انبیاء انتخاب فرمادیں یا حکمران خود اپنی زندگی میں اشارۃً نامزدگی کر دے یا صراحتاً جیسے ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ یا حکمران اپنی زندگی میں نامزدگی نہ کرے اور یہ کام ایک کمیٹی کے سپرد کر دے یا لوگوں پر فیصلہ چھوڑ دے جیسے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ و حسن ابن علیؓ کی مثالیں موجود ہیں۔ اور اسی طرح حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اگر کوئی حکمران کسی دوسرے کے حق میں دستبردار بھی ہو جائے تو بھی ایک مثال ملتی ہے جیسے حضرت حسن ابن علیؓ حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو کر ساتھیوں سمیت ان کی بیعت ہو چکے۔ البتہ اسلام میں تنصیب حکمران کے لئے خاص کسی ایک نظام کا پابند نہیں کیا بلکہ صالحیت و صلاحیت کی بناء پر کئی ایک طریقہ کار کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

[1] **کتابِ مقدس**، (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی،2011،طبع 93p)، استثنا 18:16۔

[2] گنتی27:15-20۔

[3] ہینری، میتھیو،**تفسیر الکتاب**(اردو ترجمہ)، (لاہور:چرچ فاؤنڈیشن سیمینارز، 2018)، ج1، ص402،403۔

[4] گنتی27: 21،22۔

[5] 1۔سموئیل 1:10۔

[6] ایضاً10: 24۔

[7] 1۔سموئیل 35:15۔

[8] البقرۃ 2:247۔

[9] ص 26:38۔

[10] النمل 15:27،16۔

[11] 1۔سلاطین 15:1،32-40۔

[12] البخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول الله و ایامه**،(الریاض: دارالسلام للنشر والتوضیع، 1999ء، الطبعة الاولیٰ)، کتاب المحاربین، باب رجم الحبلیٰ من الزنا اذا احصنت، رقم الحدیث:6830۔

[13] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الأحکام، باب الإستخلاف، رقم الحدیث:7219۔

[14] ابن عساکر، علی بن حسن، ابو القاسم، **تاریخ مدینة دمشق**،(بیروت:دارالفکر، 1998ء، الطبعة الاولیٰ)،428/30۔

[15] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف، رقم الحدیث:7218۔

[16] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل اصحاب النبیﷺ،باب قصة البیعة علی عثمان بن عفان، رقم الحدیث:3700۔

[17] الخلال، احمد بن محمد ابوبکر، **السنة**،(الریاض: دار الرایه، 1410ھ، الطبعة الاولیٰ)، 415/2۔

[18] الطبری، **تاریخ الرسل و الملوک**، 76/6۔